https://telegram.me/ilmokitab

ڈاکٹر رشید جہاں

[ڈاکٹر رشید جہاں بڑی ایمان شکن خاتون تھیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی پھسل جاتی اور اگر جم جاتی تو جمی کی جمی رہ جاتی۔ وہ پرانی داستانوں کی ان شہزادیوں کی طرح تھیں جن کو دیکھتے ہی شہزادے ہوش وحواس کھودیا کرتے تھے۔ کنول جیسی مسکراتی ہوئی روشن سیاہ آنکھیں، ستواں ناک، پتلے پتلے ہونٹ، کتابی چہرہ، رنگ دودھ اور شہاب، موزوں قد، آواز ایسی کہ جل ترنگ بج رہی ہے۔ نقرئی قہقہے۔ جہاں رشید ہوتیں وہاں قہقہے ہوتے اور جہاں قہقہے ہوتے وہاں رشید ضرور ہوتیں۔]

میکے میں سب سے انوکھی۔ نہ کوئی بہن ان پر گئی نہ بھائی۔ نہ صورت شکل میں نہ عادات واطوار میں اور نہ عقیدے اور نظریات میں۔ سُسرال میں قدم رکھا تو سُسرال کی کایا پلٹ دی۔ سسرال میں نوابی تھی، جاگیرداری تھی۔ ڈاکٹر صاحب زادہ سعید الظفر خاں کے جدِّ امجد نواب نجیب الدولہ تھے۔ وہ لکھنؤ میڈیکل کالج کے پرنسپل تھے۔ اُن کے دو ہی بچّے تھے۔ ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ لڑکا رشید جہاں کا شوہر صاحب زادہ محمود الظفر خان اور لڑکی حمیدہ سعید الظفر خان جو گاندھی آئی ہسپتال، علی گڑھ میں ماہر امراض چشم رہ چکی ہیں۔ حمیدہ کی شادی نہیں ہوئی۔ کچھ تو رشید پہلے ہی سے کمیونزم سے متاثر تھیں اور کچھ محمود کا اُن پر اثر ہوا۔ لیکن محمود الظفر کا تعلق رشید جہاں سے شادی کرنے سے پہلے کمیونزم سے نظریات کی حد تک تھا۔ شادی کے بعد تو رشید، محمود سے بہت آگے نکل گئیں، وہ کمیونسٹ پارٹی کی سرگرم رُکن بن گئیں اور پھر ان کی وجہ سے صاحب زادہ سعید الظفر خان کا گھر یوپی کے کمیونسٹوں کا اڈّا بن گیا۔ ذرا یہ ستم ظریفی تو دیکھو کہ کہاں اس گھر میں رئیسوں ایسے ٹھاٹ باٹ۔ بنگلہ، فٹن، نوکر چاکر، مغلانیاں چھوچھویں مامائیں۔ اور کہاں رشید بی کے آتے ہی وہ سارے ٹھاٹ باٹ ختم ہو گئے۔ ساس سو جان سے بہو پر صدقے واری ہوئی، لیکن بہو کو گھر کے طور طریقے پسند نہ آئے۔ ریاست کی بُو باس تو جاتے ہی جاتی ہے، لیکن رشید اکثر اپنی

ساس اور خسر سے گستاخ بھی ہوجایا کرتی تھیں۔ ساس بے چاری کچھ مدّت کے بعد کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن رشید جہاں نے صاحب زادہ صاحب کے والد کی تصویر پر، جو ایک دیوار سے لگی ہوئی تھی، گُل دان تاک کر مارا اور تصویر کا شیشہ کرچی کرچی تو ہوا ہی تھا، تصویر بھی پھٹ گئی۔ صاحب زادہ صاحب اب تک بڑے ضبط سے کام لیتے رہے تھے، لیکن اب وہ اپنی بہو کے ہاتھوں اپنے والد کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکے اور انہوں نے رشید جہاں کو زندگی میں پہلی بار اونچی آواز میں ڈانٹ کر کہا:

''رشید! ہم اپنے بزرگوں کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے۔''

[ڈاکٹر سعید الظفر خان اگر کچھ کرنا بھی چاہتے تو کیا کرتے۔ دو آنکھیں ہوتیں تو ایک پھوڑ ڈالتے۔ بیٹے کی صورت میں تو ایک ہی آنکھ تھی۔ اور محمود الظفر، ان کا اللہ آمین بیٹا اُن کی بہو کی مُٹھی میں تھا اور اُدھر خاندانی شرافت تھی جو فیصلہ کُن اقدام سے باز رکھتی۔]

رشید نے محمود کے پورے خاندان اور ان کی بیشتر کزنز کو دین سے برگشتہ کر دیا۔ ان میں محمود کی پھوپھی زاد ہاجرہ بیگم تو کیمونسٹ پارٹی کی ممبر بھی بن گئیں۔ اور ان کی شادی مشہور کیمونسٹ لیڈر زیڈ اے احمد سے ہوگئی اور جب امرتسر میں ایم۔ اے۔ او ہائی اسکول، کالج بن گیا تو محمود اس کے وائس پرنسپل مقرر ہوئے۔ رشیدہ ان کے ساتھ تھیں۔ یہ لوگ سول لائنز میں رہتے تھے لیکن ڈاکٹر رشید جہاں کا مطب ڈھاب کھٹکان میں تھا۔ [ڈاکٹر رشید جہاں سے مَیں اور ایم۔ اے۔ او کالج کے دوسرے طالب علم اور شہر کے ادیب اکثر ملتے رہتے۔ وہ بے پناہ خلیق تھیں۔ ہر ایک کا پاس لحاظ کرتیں۔ کسی کو خفا ہونے کا موقع نہ دیتیں، تاثیر اور فیض سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ فیض کی مَسیں بھیگ رہی تھیں، وہ بڑے شرمیلے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ مکھّی مکڑی کے جال میں پھنس گئی۔ ایک فیض ہی کیا، ایسے کئی فیض، رشید کے حُسنِ بیاں اور ان کی تعلیمات کا اثر قبول کر کے کیمونسٹ ہو گئے۔ یوں سمجھئے کہ فیض بچّہ تھے اور رشید ان کی انّا تھیں۔ ان کو لوریاں دیتیں۔ تھپک تھپک کر مارکسی نغمے سُناتیں اور مارکسی خواب دکھایا کرتیں۔ اس خواب ناک ماحول میں فیض بھلا پہلے سے فیض کہاں رہتے۔ بھرپور جوانی تھی۔ بہک جانے کے مواقع اور اسباب بہت سے تھے۔ غرض کہ فیض کو رشید جہاں نے بالکل بدل ڈالا۔ ایک فیض ہی کیا امرتسر اور لاہور کا جو بھی جوان اُن کے قریب آیا، وہ اُن کا ہو گیا اور ان کے راستے پر لگ گیا۔]

لاہور اور امرتسر میں کمیونسٹ پارٹی اور کمیونسٹ لیڈر تو پہلے بھی تھے لیکن اُن کا حلقۂ اثر اتنا وسیع نہیں تھا، جتنا رشید جہاں کے آنے سے ہو گیا تھا کمال تو یہ ہے کہ رشید جہاں کی زندگی کا ہر سانس مارکسی تحریک کے لیے وقف تھا۔

رشید جہاں بہت اچھی معالج تھیں۔ ان کے مطب میں مریضوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔ وہ غریبوں سے علاج اور دوا کے پیسے نہیں لیتی تھیں۔ غریبوں سے ان کی ہمدردی کی یہ حالت تھی کہ اگر آدھی رات کو اُن کی کسی مریضہ کی طبیعت بگڑ جاتی تو وہ گہری نیند سے اُٹھ کر اُس کے یہاں چلی جاتیں۔ اُن کے اس اخلاق سے ان کا مشن بھی پورا ہو جاتا۔ مارکس کے حلقہ بگوشوں نے اپنی اِسی جاں فروشی سے مارکس اِزم کو بھی ایک طرح سے مذہب بنا دیا تھا۔

لاہور صوبائی حکومت کا دارالحکومت تھا۔ وہاں پارٹی کے لیے کام کرنے کے مواقع نہیں تھے۔ اُمرتسر تجار کا شہر تھا۔ رشید جہاں اور ان کے ساتھیوں کے لیے یہاں کام کرنے کی بڑی گنجائش تھی، لیکن امرتسر کے مسلمان، مذہب کے معاملے میں بہت کٹر تھے۔ چنانچہ رشید اور محمود کی بڑی شدّت سے مخالفت شروع ہو گئی اور آخر دونوں یہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

فیض کے لیے تو رشید کا امرتسر چھوڑ کر جانا ایسا ہوا جیسے کوئی ماں اپنے بچّے کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر چلی جائے۔ چونکہ فیض نظریاتی طور پر کمیونسٹ ہیں اور عامل کمیونسٹ نہیں تھے لہٰذا یہ رشید کے جانے کے بعد کمیونسٹوں کے مخالفین کی دست بُرد سے بچے رہے اور اپنی شاعری کی وجہ سے لوگوں میں مقبول اور اپنے بھول پن اور سادگی کے باعث محبوب رہے۔ ہر چند کہ ملامتوں کا ہدف بھی بنتے رہے۔

رشید افسانے بھی بہت اچھے لکھتی تھیں۔ انہوں نے ڈرامے بھی لکھے۔ وہ ترقی پسندوں میں بڑی مقبول تھیں اور ترقی پسندوں میں اُن کا نام سرِ فہرست آتا تھا۔ رشید جیسی بھی تھیں، نڈر اور بے باک تھیں۔ ان کے یہاں آج کل کے بیشتر کمیونسٹوں کی طرح دُہرا معیار نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے مشن کی خاطر تکلیفیں اُٹھائیں۔ اپنی سُسرال کی ساری جاگیر اپنی پارٹی اور اپنے مشن پر نچھاور کر دی۔ رشید جہاں نے آج کل کے بیشتر نام نہاد کمیونسٹوں کی طرح محل میں بیٹھ کر کھیت اور کارخانوں میں کام کرنے والے کسانوں اور مزدوروں کی زبوں حالی پر جھوٹے آنسو نہیں بہائے بلکہ اپنے محل کو آگ لگا کر وہ اُن میں شامل ہو گئیں۔ انسان کافر ہو تو کھلا کافر ہو، مومن ہو تو پکّا

مومن ہو، لیکن منافق نہ ہو۔ اور رشید منافق نہیں تھیں، یہی ان کی بڑائی تھی۔

اور پھر رشید ایسی بیمار ہوئیں کہ اُن کا سارا حُسن غارت ہو گیا۔ وہ ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئیں۔ اس ڈھانچے میں ان کی کنول ایسی آنکھیں یوں لگتیں جیسے کھنڈر میں چراغ جل رہے ہوں۔ محمود علاج کے لیے انہیں اپنے ساتھ ماسکو لے گئے لیکن وہ ماسکو سے واپس نہیں آئیں اور محمود نے انہیں وہیں دفنا دیا۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

رشید کے آگے محمود کی نہیں چلتی تھی۔ محمود کا گھر، گھر نہیں رہا، پارٹی کا مرکز بن گیا۔ رشید لیڈر تھیں اور محمود ان کے وفادار والنٹیئر تھے۔

رشید عطیہ فیضی تھیں اور محمود فیضی رحمین تھے۔

ماسکو میں رشید کو دفنا کر محمود زندہ درگور ہو گئے۔

اور پھر ایک دن خبر آئی کہ محمود بھی دُنیا سے مُنہ موڑ گئے اور یوں یہ کہانی ختم ہو گئی۔

□□□

ڈاکٹر رشید جہاں: ولادت: ۲۵ اگست ۱۹۰۵۔ وفات: ۱۹۵۲